یشار نے بتایا کہ ہر حاجی پر پابندی ہے کہ وہ دو سو ڈالر کا انتظام کرے۔ کم از کم دس رومال اور دس جرابیں اس کے پاس ہوں تاکہ صاف ستھرے لباس کا مظاہرہ ہو۔ حج فلائٹوں میں یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ ائر ہوسٹس اسکرٹ نہ پہنیں بلکہ ٹخنوں تک پورا لباس پہنیں۔ ان کے صرف چہرے اور ہاتھ کھلے ہوں۔ ہر فلائٹ میں حکومت کی طرف سے ایک مفتی کا انتظام ہوگا جو حاجیوں کو موقع و محل کی مناسبت سے حج کے مسائل سے آگاہ کرے گا[ل]۔ شیخ یشار نے افسوس کے ساتھ کہا کہ اس مرتبہ شام کی حکومت خشکی کے راستے سے ترکی حاجیوں کو گزرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ اگر حاجیوں کی بسیں شام سے گزر کر جائیں تو انہیں صرف دو ہزار کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے مگر اب یہ بسیں عراق اور کویت سے ہو کر سعودی عرب میں داخل ہوں گی۔ اور انہیں سات ہزار کیلومیٹر کا سفر کرنا پڑے گا۔

قبرص کی حالت عالمِ اسلامی کے مسائل کا ذکر چھڑا تو میں نے قبرص کے بارے میں شیخ یشار سے بعض سوالات کر دیئے۔ ترکی کے لیے قبرص کا مسئلہ وہی اہمیت و نزاکت رکھتا ہے جو پاکستان کے لیے کشمیر کو حاصل ہے۔ قبرص کی سیاسی صورتِ حال سے تو پاکستان کے مسلمان ناواقف نہیں ہیں۔ قبرصی ترکوں اور قبرصی یونانیوں کی باہمی کشیدگی اور قبرصی یونانیوں کے ترک آبادی پر مظالم کی داستان کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ یہ جزیرہ طویل مدت تک عثمانی خلافت کے تحت رہ چکا ہے۔ اِس صدی کے اوائل تک اس میں اسلامی تعلیم کا بڑا چرچا تھا۔ مگر جب انگریزوں نے قبرص میں قدم رکھا وہاں کا مسلمان بھی انگریزی تہذیب کا شکار ہوتا چلا گیا۔ شیخ یشار نے بتایا کہ ہم قبرصی ترکوں کے لیے آخر دم تک لڑیں گے۔ مگر جہاں تک قبرص کے ترک مسلمانوں کا حال ہے وہ اسلام سے بہت دُور ہو چکے ہیں۔ بگاڑ ان کے اندر وسیع پیمانے پر پھیل چکا ہے۔ اسلامی شعائر اور نماز و روزہ کا وہاں نام و نشان نہیں ہے۔ اِس مرتبہ رمضان المبارک کے آغاز پر ہم نے چار واعظ بھیجے۔ وہ اس بنا پر واپس آگئے کہ انہوں نے جب اسلامی اخلاق اور اسلامی احکام کی تبلیغ شروع کی تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا، اور اِن باتوں کو سننے سے انکار کر دیا۔ باقی دو بھی وہاں سے مسلسل خطوط لکھ رہے ہیں کہ ہماری تبلیغ سے لوگ ناخوش ہیں۔ اور مغربی تہذیب پر کسی قسم کی تنقید انہیں اچھی نہیں لگتی۔ بلکہ شیخ یشار نے رازدارانہ طور پر کہا کہ مفتی قبرص کا حال بھی بہت پتلا ہے۔ ان کے گھر کی تمام خواتین مغربی عورتوں کا لباس پہنتی ہیں۔ شیخ کہنے لگے کہ ایک طرف جنگی نقطۂ نظر سے قبرص کی اہمیت کو دیکھیں اور دوسری طرف وہاں کے مسلمانوں کی یہ غفلت دیکھیں کہ انہیں اپنے قومی

[ل] اِس مرتبہ ترکی حکومت نے ان انتظامات کو مزید ترقی دے دی ہے۔

میں کوئی خاص فرق نہیں، خلفائے راشدین کی کوئی تعداد یا خلافتِ راشدہ کی کوئی مدت معین نہیں ہے۔"

جواب: (از ملک غلام علی صاحب)۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ خلافت و ملوکیت اور حضرت امیر معاویہؓ کے موضوع پر جو بحث میں نے ترجمان القرآن کے صفحات میں کی ہے، اس میں بریلوی مسلک کے علماء کی تحریروں میں سے کوئی حوالہ درج نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کسی علمی تعصب میں مبتلا ہوں اور کسی خاص گروہ یا جماعت کی کتابیں پڑھنے سے گریز کرتا ہوں۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ جدید دور کے علماء میں سے صرف دیوبندی یا اہلِ حدیث حضرات ہی کی تحریروں میں مجھے تائیدی حوالے مل سکے ہیں اور بریلوی مشرب کے علماء کی نگارشات میں مجھے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی۔ فی الحقیقت بات یہ ہے کہ میں نے اپنے سلسلۂ مضامین میں جو طریقِ بحث و استدلال اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے زیرِ بحث مسائل میں سب سے پہلے نصوصِ کتاب و سنت کی روشنی میں ان اعتراضات و تنقیدات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جو مولانا مودودی کی عبارتوں پر وارد کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے ائمۂ سلف، جن میں محدثین، مفسرین، مؤرخین اور فقہائے مجتہدین بھی شامل ہیں، ان سب کے ایسے اقوال پیش کیے ہیں جو ان مسائل و واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر میں نے سب سے آخر میں بعض جدید علماء کی تحریریں بھی نقل کر دی ہیں تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ جو قول قدیم زمانے میں جائز و حلال تھا، اس کا دُہرانا اس زمانے میں ممنوع و حرام ہے اور اس فعل کا ارتکاب اگر کیا ہے تو تنہا ایک ہی شخص نے کیا ہے۔ پس اس خیال کے پیشِ نظر میں نے علمائے حاضر کے بھی چند اقوال دے دیئے ہیں، ورنہ ان کی عدم موجودگی سے میرے استدلال میں کوئی خلا یا خلل واقع نہیں ہوتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ میری نظرِ انتخاب بالعموم دیوبندی علماء کی تحریروں تک ہی کیوں محدود رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک "خلافت و ملوکیت" کے خلاف سب سے زیادہ زور اسی حلقے سے انتساب رکھنے والے بعض افراد نے صرف کیا ہے اور ناصبیت کے جدید علمبرداروں کو دانستہ و نادانستہ طور پر انہی نے پوری کمک پہنچائی ہے۔ پس قدرتی طور پر میرا روئے سخن چونکہ ان حضرات کی جانب

تھا، اس لیے انہی کے بعض اکابر کے اقوال درج کر دینا میں نے مناسب اور کافی خیال کیا۔ لیکن جہاں تک حضرت علیؓ کے بالمقابل امیر معاویہؓ کے موقف کا تعلق ہے، اسے جس طرح خلافت و ملوکیت میں بیان کیا گیا ہے اور جس کی مزید وضاحت میرے مضامین میں کر دی گئی ہے، علمائے بریلی کا موقف و مسلک اس سے مختلف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر میں یہاں مولانا محمد امجد علی صاحب رضوی کی کتاب "بہار شریعت" حصہ اول سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔ مولانا امجد علی صاحب موصوف مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ بہارِ شریعت ان کی ضخیم تالیف ہے جو سترہ جلدوں پر مشتمل ہے اور مؤلف کے استاذ کی تقریظ و تصویب کے ساتھ اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ اس کتاب کی جلد اول ص۵۵ پر وہ فرماتے ہیں:

"عقیدہ: امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم ہے، خطاء عنادی، یہ مجتہد کی شان نہیں اور خطاء اجتہادی، یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس میں اُس پر اصلاً عنداللہ مواخذہ نہیں۔ مگر احکام دنیا میں وہ دو قسم ہے خطاء مقرر کہ اس کے صاحب پر انکار نہ ہو گا۔ یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا، دوسری خطاء منکر، یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی خطا باعثِ فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلاف اسی قسم کی خطا کا تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔"

(بہار شریعت حصہ اول ص۵۵، شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

اب اس قول کے قائل صاف بتا رہے ہیں کہ امیر معاویہؓ مجتہد تھے اور مجتہد سے صواب اور خطا دونوں کا امکان ہے۔ پھر وہ دنیوی احکام کے اعتبار سے اجتہادی خطا کی دو قسمیں بیان کر رہے ہیں:

ایک خطاءِ مقرر، دوسری خطاءِ منکر۔ عند اللہ تو ان پر مواخذہ نہیں، مگر دنیا کے احکام و عواقب کی رو سے خطائے منکر ایسی ہے کہ یہ باعثِ فتنہ بھی ہے اور اس وجہ سے اس پر انکار و اعتراض اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی ہو گا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو کچھ کیا وہ خطائے منکر کی تعریف میں آتا ہے۔ نزاعِ فریقین میں ڈگری حضرت علیؓ کے حق میں ہے اور امیر معاویہؓ کے لیے مغفرت ہے۔

یزید کے فضائل و مناقب کا اظہار بھی اس زمانے میں چونکہ برملا ہونے لگا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ اس کا فسق و فجور صحتِ نقل کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی کتاب کا ایک مزید اقتباس جو یزید سے متعلق ہے وہ بھی یہاں نقل کر دیا جائے۔ اگلے صفحہ ۷۶ پر مولانا امجد علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

> "عقیدہ: یزید پلید، فاسق، فاجر، مرتکبِ کبائر تھا۔ معاذ اللہ، اس سے اور ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت؟ آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملے میں کیا دخل ہے، ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزادے، ایسا بکنے والا مردود خارجی ناصبی مستحقِ جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہلِ سنت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت ہے یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں، نہ مسلمان۔"

اس تحریر کے لب و لہجے میں اگرچہ غیر معمولی شدت پائی جاتی ہے، لیکن دوسری طرف آج کل چونکہ یزید کو بڑا ہی خلیفِ رشید اور صالح و مصلح ثابت کرنے کی مساعی جاری ہیں، اس لیے مجھے بریلوی مکتبِ فکر کے ایک بڑے عالم کی یہ عبارت نقل کرنی پڑی تاکہ کم از کم یہ گروہ تو اس جدید ناصبیت کے فتنے سے بچا رہے۔

ایک آخری بات جس کی طرف میں اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ بریلوی حضرات ہوں یا دیوبندی یا اہلِ حدیث، یہ سب ہی اُن محدثین اور فقہاء اور متکلمین کو اکابر اہلِ سنّت تسلیم کرتے ہیں جن کے اقوال خلافت و ملوکیت اور میرے مضامین میں نقل کیے گئے ہیں۔ آخر ابن حجر عسقلانی، ابن حجر مکی، امام نووی، امام بخاری، امام مسلم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ کے اقوال دیوبندی، بریلوی یا اہلِ حدیث علماء کے ہاں کیوں یکساں طور پر قابلِ اعتماد نہ ہوں